کتاب نما

تحقیقات و تاثرات' ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی۔ ناشر: ادارہ علم و فن' ۱۰۸- بی الفلاح' ملیر ہالٹ کراچی ۷۵۲۱۰۔ صفحات: ۵۲۸۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

زیر نظر کتاب میں پانچ عنوانات (تاریخ و سیاست' شخصیات و سوانح' تجزیہ و تنقید' دینی افکار' ذاتیات) کے تحت مرتب شدہ بیشتر مقالات و مضامین' تحقیقی نوعیت کے ہیں۔ مصنف ایک طویل عرصے تک تعلیم و تدریس کے سلسلے میں متعدد عرب ممالک میں مقیم رہے۔ پھر ڈاکٹریٹ کے سلسلے میں کیمبرج یونی ورسٹی میں کچھ وقت گزارا۔ عربی زبان پر دسترس کے ساتھ ساتھ تاریخ اور مذہب کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ ایک باشعور عالم کی طرح انھیں عصری اور سیاسی مسائل سے بھی خصوصی دل چسپی ہے۔ ان کی نہاد و افتاد تحقیقی ہے۔ چنانچہ موضوع کچھ بھی ہو' وہ ایک تحقیق کار کی طرح موضوع کو اس کی جزئیات کے ساتھ اور بڑی باریک بینی سے دیکھتے اور پھر معقول شواہد کی روشنی میں نتائج اخذ کرتے ہیں۔

"بوسنیا ماضی و حال" کے تاریخی و سیاسی جائزے میں انھوں نے بتایا ہے کہ اہل بوسنیا اس سرزمین کے اصل باشندے (son of the soil) ہیں۔ یہاں پرچم اسلام عثمانی ترکوں نے پہنچایا تھا۔ یہاں کی تاریخ مشرقی یورپ میں تہذیب و تمدن' عدل و انصاف' رواداری' انسانی خدمت اور تعمیر و ترقی کی ایک طویل داستان ہے۔ اہل بوسنیا نے اقوام متحدہ کے مشورے اور تائید کے بعد ہی' اپنے یہاں ریفرنڈم کرایا تھا جس میں ۶۳.۶۸ فی صد لوگوں نے یوگوسلاویہ سے آزادی کے حق میں رائے دی اور اقوام متحدہ نے اسے ایک آزاد ملک کی حیثیت سے اپنا ممبر تسلیم کر لیا مگر سیکرٹری جنرل کا رویہ غیر عادلانہ' غیر انسانی اور ظالمانہ رہا کیونکہ وہ خود ایک قبطی عیسائی اور ایک یہودی بیوی کے شوہر ہیں۔ چیچنیا کے بارے میں رضوان علی ندوی صاحب نے بتایا ہے کہ اگرچہ روس نے اپنے استعماری مقاصد و مفادات کے تحت قوقازیا قفقاز کے علاقے کو آٹھ الگ الگ جمہوریتوں میں تقسیم کر دیا تھا مگر اس علاقے میں عربی اور ترکی اسلامی ثقافت کا گہرا اثر رہا ہے۔ یہاں اشتراکی تسلط سے قبل تک عربی و فارسی بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ مغربی علاقے میں ترکی زبان دوسری بڑی زبان تھی۔ روسی کمیونسٹوں نے بڑے پیمانے پر روسیوں کو یہاں لا لا کر آباد کیا۔ مسلمانوں کا تناسب پہلے ۹۰ فی صد تھا' ۱۹۷۹ء میں گھٹ کر ۶۸ فی صد رہ گیا۔ پہلے یہاں عربی رسم الخط رائج تھا' اسے روسی رسم

الخط سے بدل دیا گیا۔ یہ سرسبز و شاداب اور تیل کی دولت سے مالا مال خطہ روس کے لیے "سونے کی ایک چڑیا" کی حیثیت رکھتا تھا۔ روس کی ساری جبریت اور لادینیت کے پرچار کے باوجود اس علاقے کے لوگوں کے دلوں سے جذبہ حریت کو مٹانا آسان نہ تھا۔ چنانچہ اسٹالن نے چیچنیا کی تمام مسلم آبادی کو سائبیریا کے برفانی اور صحرائی علاقوں میں جلاوطن کر دیا۔ جب اسٹالن مرگیا' تب مہاجرین میں سے بچے کھچے لوگوں کو وطن واپس آنے کی اجازت ملی لیکن اس ہجرت سے ان کے اسلامی عقیدے میں اور پختگی پیدا ہوئی۔ ۱۹۹۱ء میں چیچنیا نے اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ اس وقت روس انتہائی بدحال تھا اور اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ چیچنیا کے خلاف لڑ سکے لیکن جب ماسکو کی حکومت امریکی مالی امداد کی وجہ سے اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی تو سب سے پہلے اس نے حزب مخالف کے لیڈر عمر اختر خانوف کو اپنا آلہ کار بنانے کے لیے ۱۰ بلین روبل کی خطیر رقم دی تاکہ وہ اس کو صدر دودائف کی حکومت کے خلاف استعمال کرے اور اس کو غیر مستحکم کر کے ملک میں بے چینی پھیلائے۔ چیچنیا کی آزاد مملکت کے خلاف اور بھی بہت سے اقتصادی حربے استعمال کیے گئے مگر چیچنیا کے جان باز اور حریت پسند' روسیوں کے آگے جھکنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر ہم زندہ رہے تو خوش حالی کی زندگی بسر کریں گے اور اگر مرگئے تو اللہ کے حضور میں ہوں گے اور خوش نصیب ہوں گے۔

لاہور اور کراچی پر مضامین خالصتاً تحقیقی ہیں۔ تحقیق و تدقیق کا یہ انداز قریب قریب سارے مضامین میں نمایاں ہے۔ ایک مضمون میں معروف مورخ طبری پر شیعیت کے الزام کی تردید کی ہے۔ اسی طرح تاریخ اسلام سے متعلق متعدد شخصیات اور بزرگوں (امام شافعی' سید عبداللہ شاہ غازی' ابن تیمیہ وغیرہ) کے احوال و سوانح کے متعلق ندوی صاحب نے حقائق و اوہام کو الگ الگ کیا ہے۔ ندوی صاحب کے متعدد مضامین بعض اہل قلم کی بے احتیاطیوں یا ناکافی اور سرسری معلومات کی تردید اور اصل حقائق کی نقاب کشائی کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں۔ انھوں نے اخبارات و رسائل کے چند معروف کالم نگاروں پر خوب خوب نقد و جرح کی ہے۔ عمران خان کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی بدگمانیوں کی وہ تردید کرتے ہیں۔ ایک مضمون میں **نفحۃ العرب** (مولانا محمد اعزاز علی) کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اسی طرح ایک اور مضمون میں **خطبات حرم** (ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ) پر کڑی گرفت کی ہے۔

ندوی صاحب کے دائرہ تحقیق میں تنوع بھی ہے اور رنگا رنگی بھی۔ چند عنوانات مباحث دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد' مسئلہ کشمیر اور درس مفاہمت۔ اسلام میں عورت کی حکمرانی۔ سیدنا عثمانؓ کا قرآن کہاں ہے؟ استنبول و اسلام بول۔ خاندانی منصوبہ بندی' شریعت اور قاہرہ کانفرنس۔ مصنف اس بات کے قائل ہیں کہ علمی اور تاریخی موضوعات پر لکھتے ہوئے حددرجہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ خود بہت باریک بین ہیں

مثلاً معروف قرآنی آیت وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کو بہت سے لوگ "و" کے بغیر لکھ دیتے ہیں۔ ندوی صاحب کہتے ہیں، اس "و" کو باقی رکھنا ضروری ہے کہ عربی زبان کا یہی انداز ہے اور جو لوگ عربی زبان سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں اور کبھی کوئی آیت یا قرآنی جملہ لکھتے وقت اس واو استئناف کو حذف نہیں کرتے۔ ایک اور جگہ انھوں نے بتایا ہے کہ سعودی عرب کے ایک ساحلی ملک کو اردو صحافت میں غلط طور پر "اومان" لکھا جاتا ہے، اصل میں یہ عُمَانْ ہے۔ (ع پر پیش اور بغیر تشدید کے م کے ساتھ)۔ یہ اردن کے پایۂ تخت سے جدا ہے۔ اگرچہ دونوں کا املا ایک ہے لیکن تلفظ میں فرق ہے۔

آخری حصے کے چار مضامین میں سے ایک "دمشق سے کیمبرج تک" تو سفرنامہ ہے اور تین مضامین بعض شخصیات (ڈاکٹر طٰہٰ حسین، ڈاکٹر محمد حمیداللہ اور ماہرالقادری) سے ملاقاتوں کی یادداشتوں اور ان کے بارے میں مصنف کے تاثرات و نقوش پر مشتمل ہیں۔ "دمشق سے کیمبرج تک" میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ کا تفصیلی ذکر آیا۔ پھر مابعد مضمون میں بھی انھی باتوں کی تکرار ہے جسے حذف کیا جا سکتا تھا۔ لیکن مجموعی حیثیت سے یہ سوانحی یا شخصی مضمون بہت دلچسپ ہیں اور ان میں عام قاری کے لیے بھی ایک لطف اور کشش موجود ہے۔

مصنف موصوف نے مشرق و مغرب کے بلند پایہ علمی اداروں اور جامعات سے تعلیم حاصل کی۔ ربع صدی سے زائد عرصہ عرب ممالک میں گزارا۔ چوٹی کے عرب علما، ادبا اور ناموران دین و سیاست کی صحبت اٹھائی۔ اسی طرح کیمبرج یونی ورسٹی کے فضلا سے اکتساب علم و تحقیق کیا۔ چنانچہ ان کی تحریروں میں ایک بلند نگہی، خالص علمی رویہ، ذہنی کشادگی، جرأت و صاف گوئی اور دینی و اخلاقی حمیت موجود ہے۔ ان کے اسلوب میں کسی طرح کا ابہام یا الجھاؤ نہیں ہے۔ دینی موضوعات پر لکھنے والوں میں بہت کم لوگ ایسی واضح، صاف اور صریح نثر لکھنے پر قادر ہیں۔ ندوی صاحب کا یہ مجموعہ مضامین، امید واثق ہے کہ باذوق قارئین کے لیے معلومات افزا رہے گا (رفیع الدین ہاشمی)۔

تفسیر قرآن کے اصول، امام حمید الدین فراہی۔ ترتیب و ترجمہ: خالد مسعود۔ ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث، رحمان سٹریٹ، مسلم روڈ، سمن آباد، لاہور۔ صفحات: ۲۲۸۔ قیمت: ۸۰ روپے۔

اپنی جوانی کے ایام میں مجموعہ تفاسیر فراہی کے نام سے آخری پارے کی چودہ سورتوں کی تفسیر نے غیر معمولی طور پر متاثر کیا تھا اور مولانا امین احسن اصلاحی کے واسطے سے امام حمیدالدین فراہی کے نام سے آگاہی ہوئی تھی۔ چند برس قبل بھارت میں مولانا فراہی کی فکر پر ایک کئی روزہ سیمینار ہوا۔ تفسیر کے میدان میں ان کی غیر معمولی خدمات ہیں۔ مولانا اصلاحی کی تدبر قرآن کو ان کے استاد کی فکر کا پرتو کہا جاتا

ہے۔ مولانا فراہی عربی میں لکھتے تھے۔ ان کے پیش نظر علما تھے۔ اب یہ پورا میدان باقی ہے کہ ان کی تصنیفات کو اردو زبان میں مرتب کیا جائے۔

زیر نظر کتاب میں خالد مسعود صاحب نے رسائل الامام الفراہی اور مقدمہ نظام القرآن کے متعلقہ حصوں کو ایک مربوط تصنیف میں پیش کیا ہے۔ رسائل کا ترجمہ انھوں نے خود کیا ہے اور مقدمے کا ترجمہ مولانا اصلاحی کا لیا ہے۔

اصول تفسیر پر اردو میں کوئی جامع کتاب موجود نہیں ہے۔ تفہیم القرآن کا آغاز کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ کے سامنے روایتی تفسیر لکھنا نہیں تھا، اسی لیے انھوں نے مقدمے میں تفسیر کے بجائے قرآن فہمی کے اساسی اصول بیان کیے جو قرآن کے مرکزی موضوع اور بنیادی تصورات کی تفہیم کے لیے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اردو زبان میں شاہ ولی اللہ کی الفوز الکبیر دستیاب ہے جو ایم اے کے طلبہ نصاب میں پڑھتے ہیں۔ اب حمیدالدین فراہیؒ کی یہ کتاب تفسیر پر ایک بنیادی کتاب کی حیثیت سے سامنے آئی ہے۔

فراہی صاحب کی فکر میں نظم قرآن کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس ضمن میں بعض اوقات وہ اتنی دور کی کوڑی لاتے ہیں کہ قاری ششدر رہ جاتا ہے۔ انھوں نے پورے قرآن کو ایک مربوط کتاب کی حیثیت سے سمجھا اور پیش کیا ہے۔ سورت کا سورت سے ربط ہے، آیات کا آیات سے باہمی ربط ہے۔ ہر سورت کا ایک عمود ہے جس کے گرد سارے مضامین گھومتے ہیں۔ ہر آیت اپنی جگہ نگینے کی طرح جڑی ہوئی ہے۔ آخر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کلام ذی شان ہے!

اس مختصر تبصرے میں اس کتاب کے تمام مضامین کا جائزہ ممکن نہیں۔ اختصار سے سمجھانے والے انداز میں تفسیر کے مختلف اصول مثالوں کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ اگر قرآن کا کوئی طالب علم درسی کتب کی طرح سبقاً سبقاً پڑھے تو اس کے ہاتھ فہم قرآن کی بہت سی کلیدیں آ جائیں گی، ذہن وسیع ہوگا اور قرآنی مضامین پر شرح صدر اور اطمینان قلب نصیب ہوگا۔ ہمارے عربی مدارس کے نصاب میں اگر مسلکی تعصب سے بالا ہو کر قرآن کے مطالعے کو اہمیت دی جائے تو اس طرح کی کتب اس مطالعے کے لیے بنیادی کام دے سکتی ہیں (**مسلم سجاد**)۔

تاریخ علوم اسلامیہ، محمد فواد سزگین۔ مترجم: پروفیسر شیخ نذیر حسین۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامیہ، منصورہ، لاہور - ۵۴۵۷۰۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت: درج نہیں۔

محمد فواد سزگین عصر حاضر کے نامور ترک محقق اور عالم ہیں۔ علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت جرمن یونی ورسٹیوں میں ہوئی۔ یوں تو انھوں نے بہت سے علمی کارنامے انجام دیے مگر

تاریخ التراث العربی (تاریخ میراث عربی) ان کا شہرۂ آفاق علمی کارنامہ ہے جسے ۸ جلدوں میں لائیڈن سے شائع کیا گیا۔ پھر اس کے بعض حصوں کا عربی ترجمہ جامعہ امام محمد بن سعود، ریاض سے شائع ہوا (ابھی ترجمے کا کام جاری ہے)۔ دراصل یہ معروف جرمن مستشرق کارل بروکلمان کی ۴۰ برس کی محنت سے تیار کردہ تاریخ ادبیات عربی کی نئی اور نظرثانی شدہ صورت ہے۔ سزگین نے اس کام پر ۱۵، ۲۰ برس صرف کیے۔ ان کا یہ کام بروکلمان کی اصل تاریخ پر اس لیے فوقیت رکھتا ہے کہ انھوں نے اس کی غلطیوں کی تصحیح کے ساتھ ساتھ اس میں بہت سے اضافے بھی کیے ہیں۔ سزگین صاحب جرمنی میں مقیم ہیں اور اب بھی تحقیق میں مصروف ہیں۔

سزگین کی تحقیق کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں علوم قرآن، حدیث، فقہ، تصرف، عہد جاہلیت، صدر اسلام، بنوامیہ، بنی عباس کے شعرا اور ان کے فکروفن، علم طب، کیمیا، نباتات، زراعت، ریاضیات، فلکیات، لغت، علم نحو وغیرہ وغیرہ پر مسلم علما کی کتابوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تحقیقی کام مصنف کی وسعت معلومات اور اسلامی عربی علوم سے ان کی گہری واقفیت اور اپنے موضوع سے ایک جذباتی لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ استنبول کے کتب خانوں میں موجود مخطوطات کے خزانوں سے سزگین نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کے کام کے پھیلاؤ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے معروف عربی شاعر، متنبی کے دیوان کی ۴۰ شرحوں کی تفصیل دی ہے، اس کی شاعری اور مدح و قدح پر لکھی جانے والی کتابوں کا ذکر اس کے علاوہ ہے۔ سزگین کی کتابیات مسلمانوں کی عظیم الشان عالمانہ کاوشوں کی ایک جھلک پیش کرتی ہے (انھوں نے ۴۳۶ ہجری تک کے مخطوطات تک اپنی تحقیق محدود رکھی ہے)۔

عربی زبان و ادب کے معروف محقق شیخ نذیر حسین صاحب نے علوم فقہ سے متعلق سزگین صاحب کی جلد کے ایک حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ شروع میں انھوں نے سزگین صاحب کی شخصیت اور ان کے متذکرہ بالا علمی کارنامے کا مختصر تعارف کرایا ہے۔ بعدازاں علم فقہ سے متعلق سزگین کا مقدمہ ہے اور پھر عہد بہ عہد کتب فقہ کی تفصیل، کتب فقہ کا تذکرہ اور ان کے مصنف فقہا کا تعارف دیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ و تعارف اموی، عباسی، پھر مالکی، شافعی اور حنبلی، شیعی، زیدی، اسماعیلی، قرامطی، نصیری اور اباضی فقہوں کے لحاظ سے ہے۔

دراصل یہ کتاب مسلمانوں کے ہمہ جہت اور ہمہ گیر علمی کارناموں اور مختلف علوم و فنون میں ان کے علمی انہماک کی معمولی سی جھلک پیش کرتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب مسلمانوں نے اپنے آبا سے حاصل ہونے والی علمی میراث کو نظرانداز کر رکھا ہے مگر انھیں اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ اپنے علمی ورثے کو سمجھے بغیر، اور روز بروز وسعت پذیر علوم و افکار پر توجہ دیے بغیر وہ ترقی نہیں کر سکتے اور اقوام عالم

کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تحقیق و تصنیف سے بے نیاز رہتے ہوئے، عروج اور عظمت رفتہ کی بحالی محض ایک خواب و خیال کی حیثیت رکھتی ہے (د - ہ)۔

ماہنامہ **حجاب** رام پور، مدیرہ: ام صہیب۔ نگران: ڈاکٹر ابن فرید۔ پتا: ماہنامہ حجاب، بیت الصالحہ، زینہ عنایت خاں، رام پور-۲۴۴۹۰۱، یوپی، بھارت۔ قیمت: ۱۲ روپے۔ سالانہ چندہ: ۱۴۰ روپے۔

"خواتین اور طالبات کا رسالہ" اس اعتبار سے قابل توجہ ہے کہ دور حاضر کے معاشروں میں طبقہ نسواں کو طرح طرح کے فریبوں اور چال بازیوں کے ذریعے بیچ بازار لاکھڑا کر کے، اس کی ذلت اور رسوائی کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے، یہ رسالہ ایک ولولے سے اس کے خلاف ایک جہاد مسلسل میں مصروف ہے۔ گو اس کے وسائل محدود ہیں اور اسے استحصالی طبقوں کی طرح حکومتوں، اداروں اور کسی این جی او کی سرپرستی یا تائید حاصل نہیں ہے، اس کے باوجود یہ بڑے سلیقے سے اپنی سی کاوش میں مصروف عمل ہے۔ حالات بے حد ناسازگار ہیں (ہوا ہے گو تندو تیز) لیکن یہ اپنا چراغ جلائے ہوئے ہے۔ اس رسالے کو معروف اردو ادیب (افسانہ نگار اور نقاد) جناب ابن فرید کی سرپرستی حاصل ہے۔ چنانچہ حجاب کی نظم و نثر کا ایک معیار ہے اور اس کی تحریروں میں ایک ادیبانہ پختگی نظر آتی ہے (حالانکہ خواتین کے عام رسالوں میں ایک طرح کی ناپختگی ہوتی ہے)۔

حجاب میں بڑا تنوع ہے: حمد، نعت، مطالعۂ قرآن، تذکرۂ حدیث، سیرت صحابہؓ، افسانہ، غزل، طبی مشورے اور کھانے پکانے کی تجاویز اور طریقے وغیرہ۔ اس میں قبول اسلام کی چشم کشا داستانیں اور ایمان افروز واقعات بھی ایک تسلسل کے ساتھ دیے جا رہے ہیں بلکہ حجاب نے ایک بڑا دلچسپ "مغربی نومسلم خواتین نمبر" بھی شائع کیا ہے۔ رسالہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ خاندانی نظام اور اس کا استحکام ہی معاشرے کی بقا کی ضمانت ہے اور خاندان کی تشکیل میں عورت کا کردار مرکزی اور اساسی ہے۔ مغرب کا سارا زور اس بات پر ہے کہ عریاں اور مادر پدر آزاد تہذیب کے ذریعے خاندانی نظام کا تاروپود بکھیر دیا جائے تاکہ مشرقی اور اسلامی معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی ہو جائیں اور اس طرح اسے آسانی سے منہدم کر دیا جائے۔ حجاب نے اسی سلسلے میں "خاندانی نظام نمبر" بھی شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی خاص نمبر (حقوق نسواں نمبر، آزادی نسواں نمبر، مظلوم عورت نمبر اور تسلیم نسواں نمبر) بھی شائع کیے ہیں۔

مختصر یہ کہ حجاب قاری کی معلومات میں اضافہ بھی کرتا ہے اور اس کے اخلاقی اور انسانی جذبات کو بیدار اور توانا بھی کرتا ہے۔ اسے پڑھ کر آپ اپنے ایمان اور یقین میں اضافہ محسوس کریں گے (د - ہ)۔

The Ahmadiyya Movement: British - Jewish Connections

بشیر احمد۔ ناشر: اسلامک اسٹڈی فورم، پوسٹ بکس ۱۲۷۵، راولپنڈی۔ صفحات: ۵۷۵، مع اشاریہ و کتابیات۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

حق و باطل کی کش مکش میں باطل قوتیں ایک دوسرے کی مدد میں سرگرم کار دکھائی دیتی ہیں، دوسری جانب وہ مسلم دنیا کے اتحاد کو ہدف بنانے کے لیے پُرجوش کوششوں میں مصروف ہوتی ہیں۔ یہ کام عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن صباح سے شروع ہوا، اور اس عہد تک آیا۔ ان باطل قوتوں کے لیے اسلام کا سب سے زیادہ پریشان کن پہلو تصور جہاد اور تصور امہ ہے۔ اسی لیے یہود و ہنود اور نصاریٰ نے ان دو پہلوؤں کو ہدف بنانے کے لیے قرآن، سیرت اور اسلامی معاشرت کو اپنی مشق ستم کا نشانہ بنایا۔ جب ضرورت پڑی تو خانہ ساز نبوت بھی تخلیق کرلی۔ برطانوی استعمار نے اس مقصد کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کی خدمات سے استفادہ کیا۔

قادیانی تحریک اپنے تصور، اپنے علم کلام، اپنی حکمت عملی اور اپنے اہداف کے حوالے سے ملت اسلامیہ سے الگ ایک دھڑا ہے۔ ان کے الگ ہونے پر کسی کو اعتراض نہیں۔ البتہ جب وہ استعمار کی کاسہ لیسی کرتے اور اسلام کے بنیادی تصورات کو مسخ کرتے وقت اسے عین اسلام اور اپنے آپ کو "اصلی مسلمان" قرار دیتے ہیں تو پھر اہل اسلام کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اصل حقائق کو بے نقاب کریں۔

قادیانی تحریک درحقیقت کوئی مذہبی تحریک نہیں بلکہ یہ ایک خالص سیاسی تحریک ہے، جس کے اہداف اسے ایسی منزل پر لے جاتے ہیں جہاں مسلمانوں کو سوائے خسارے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اسی لیے ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے کہ: "احمدیہ تحریک نے ہند اور بیرونی دنیا میں برطانوی استعمار کی خدمت انجام دی ہے"۔

زیر نظر کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑی منفرد کاوش ہے، جس میں بشیر احمد صاحب نے بڑی محنت سے برطانوی ریکارڈ، اور قادیانی لٹریچر کو اپنی حرارت ایمانی سے اس طرح کھنگالا ہے کہ اس تحریک تلبیس کی داخلی جہت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ انھوں نے کوئی بات بلاحوالہ نہیں کہی، کہیں اپنے لہجے کو بگڑنے نہیں دیا، اور منظریوں بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے کہ قادیانیت اپنے اصل چہرے کے ساتھ دیکھی جا سکتی ہے۔

اردو میں اس طرح کا لٹریچر تو کسی نہ کسی درجے میں موجود تھا، لیکن انگریزی میں ایسی کتب ناپید تھیں۔ ہمارا انگریزی زدہ طبقہ اگرچہ سانس تو پاکستان میں لیتا ہے لیکن سوچتا انگریزی میں ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہ کتاب چشم کشا ہے۔ اسی طرح جنوبی افریقہ، بھارت، وسطی افریقہ، وسطی ایشیا اور یورپ میں قادیانیت زدہ پروپیگنڈے کے جواب کے لیے یہ ایک مفید کتاب ہے (**سلیم منصور خالد**)۔